میدانِ شاملی و تھانہ بھون
اور
سرفروشانِ اسلام
سید نجم الحسن تھانوی
ناشر
اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ تھانہ بھون ضلع مظفرنگر
IDARA TALIFAT-E-ASHRAFIA
THANA BHAWAN-247777, DISTT. MUZAFFARNAGAR
Mobile : 09358612332, 09412535500
www.khanqah-ashrafia.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میدانِ شاملی و تھانہ بھون

اور

سرفروشانِ اسلام

سیّد نجم الحسن تھانوی

ناشر

ادارہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون ضلع مظفرنگر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب میدان شاملی وتھانہ بھون اور سرفروشانِ اسلام

- ☆ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ فاروقی تھانوی ومہاجر مکیؒ
- ☆ سردار شہیداں حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ
- ☆ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
- ☆ امام ربّانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ
- ☆ استاذ العلماء حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ
- ☆ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ
- ☆ حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ
- ☆ حضرت مولانا منیر احمد نانوتویؒ
- ☆ حضرت حکیم ضیاء الدین رامپوریؒ
- ☆ قاضی عنایت علی صاحب تھانویؒ
- ☆ اور انکے رفقاء

ترتیب وپیشکش..............سید نجم الحسن تھانوی

عرضِ ناشر

۱۸۵۷ء میں شاملی کے میدان میں انگریزی اقتدار کے خلاف جہاد، تحصیل کی تاراجی، حضرت حافظ محمد ضامن کی شہادت اور دیگر علماء کی قربانیاں، اسلامیان ہند کی تاریخ کا ایک اہم باب اور زندہ حقیقت ہے برطانوی استعمار کے خلاف تھانہ بھون کو مرکز بنا کر ایک عظیم جدوجہد شروع ہوئی تو تحریک ولی اللہ کے ارکان میں سے حضرت حاجی امداداللہ فاروقی تھانویؒ کی قیادت میں انکے روحانی فیض سے وابستہ اور دبستان ولی الٰہی کے تربیت یافتہ علماء نے شاملی کے میدان میں انگریزوں سے دوبدو مقابلہ اور مسلح جدوجہد کی۔

۱۹۴۷ء تک برطانوی سامراج کے غلبہ کے باعث اس کی تفصیلات منظر عام پر نہیں لائی جا سکتی تھیں اسلئے زیادہ تر سینہ بسینہ روایات بزرگوں کی زبانی ہی چلتی رہیں۔ حالات اس طرح کے تھے کہ ہندوستانی لوگ سرکاری محکموں میں پوری وفاداری کے ساتھ حکومت کی ہمدردی میں لگے ہوئے تھے وہ اپنے نمبر بڑھانے اور خیر خواہی جتانے کے چکر میں اس قسم کا لٹریچر ضبط کرادیتے تھے۔اس پر گرفتاری جرمانے ایذارسانی کے خطرات مستزاد تھے۔

اگر ذاتی طور پر کسی کے پاس قلمی یادداشتیں تھیں بھی تو تقسیم ہند کے موقع پر منتقل یا خرد برد ہو گئیں۔ کچھ لوگوں نے اپنے ذرائع سے بھی ان واقعات کو لکھا ہے ضبط تحریر کا یہ سلسلہ صحیح معنی میں آزادی کے بعد ہی شروع ہوسکا۔

تذکرۃ الرشید اور سوانح قاسمی وغیرہ میں ضمناً و اشارۃً ضرور کچھ حالات آگئے ہیں نقش حیات میں بھی حضرت شیخ الاسلامؒ نے اس پر روشنی ڈالی ہے لیکن مستقل کوئی کام اب تک نہیں ہوسکا۔

معروف محقق مولانا نورالحسن راشد مدظلہم اس موضوع پر کام کر رہے ہیں خدا کرے ان کی کاوش جلد منظر عام پر آجائے انہوں نے مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کے کتب خانہ سے حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ کے حالات پر مشتمل ایک قلمی نسخہ ''مونس مہجوراں''

کے نام سے دستیاب کر کے شائقین پر عظیم احسان کیا ہے، یہ قلمی نسخہ حضرت حکیم ضیاء الدین رامپوری کا تحریر کردہ اور ایک مستند تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

مجاہدین اسلام اور علماء حق کی قربانیوں کی مسلسل اور لازوال تاریخ ہے جس کا ایک پہلو آئندہ صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ نئی نسل کو اپنی تاریخ اسلاف کی قربانیاں اور ان کے کارناموں سے واقفیت ہو اور وہ ماضی کی روشنی میں مستقبل کو استوار کر سکیں۔

الحمدللہ اکابر امت بزرگان دین کی جس طرح معرفت بڑھ رہی ہے اسی اعتبار سے ان کے حالات اور کارناموں سے واقفیت کا رجحان بھی روز افزوں ہے جہاد شاملی و تھانہ بھون کے احوال کا یہ اجمالی خاکہ ہے جو بہت پہلے لکھا گیا تھا اس کا بیشتر حصہ سہ ماہی مفتاح الخیر جلال آباد میں قسطوار شائع ہوتا رہا۔

احباب کا اصرار تھا کہ اس کو مستقل طبع کرا دیا جائے چنانچہ نظر ثانی کے موقع پر بعض مفید اضافوں کے ساتھ پہلی بار کتابی صورت میں نذر ناظرین کیا جا رہا ہے۔

اس سے قبل ''حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور ان کے نامور خلفاء'' کی مرکز معارف حکیم الامت تھانہ بھون سے اشاعت عمل میں آ چکی ہے جو توقع کے مطابق پسند کی گئی اور ہمارے حوصلوں کو تقویت ملی۔

اشرف السوانح حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی مفصل سوانح چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ ضرورت تھی کہ آپ کے حالات، خدمات اور تعلیمات پر مشتمل مختصر تذکرہ بھی شائع ہو جو کم فرصت حضرات کے لئے مشعل راہ ہو سکے۔ عنقریب انشاء اللہ وہ بھی منظر عام پر آنے والا ہے۔

سید حذیفہ نجم تھانوی

۱۸۵۷ء کے جہاد شاملی وتھانہ بھون کا پس منظر

مغلیہ دور حکومت میں ۱۴۹۸ میں یورپ کے ملاحوں نے پہلی مرتبہ واسکوڈی گاما کی قیادت میں ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھا اور ساحلی مقام کالی کٹ میں اپنی تجارتی سرگرمیوں کا آغاز کیا، دیکھادیکھی یورپ کے دیگر ممالک بھی ہندوستان کی طرف متوجہ ہوگئے چنانچہ انگلستان کے ۱۰۱ تاجروں نے تیس ہزار پونڈ کا سرمایہ جمع کرکے ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے ایک فرم بنائی اور ۱۶۰۱ میں پہلی مرتبہ اس کے جہاز ہندوستان کے لئے روانہ ہوئے بنگال کو انہوں نے اپنا اصل مرکز بنایا، یہیں سے ہندوستان میں انگریزوں کی آمد شروع ہوئی۔ مختلف مقامات پر اس کے دفاتر کھولے گئے، تجارت کی آڑ میں اپنی فوجی طاقت بھی رفتہ رفتہ ہندوستان میں منتقل کرتے رہے یہاں تک کہ یہ لوگ شاہانِ مغلیہ کے دربار میں بھی جا پہنچے ان کی مادی ترقی نے حکمرانوں کو بڑا متاثر کیا چنانچہ انہوں نے نہ صرف ان کو خوش آمدید کہا بلکہ پروانہ امن بھی دیدیا۔ ۱۰۰ سال کے عرصہ میں اکثر و بیشتر تجارتی معاملات ان کی مٹھی میں آگئے تجارت پر قابو پانے کے بعد انتظامی امور میں بھی عمل دخل شروع کردیا۔ جسکے نتیجہ میں ۱۷۰۱ء تک مختلف علاقوں میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے پرچم لہرا رہے تھے۔ ظاہر میں تجارت تھی لیکن اندر تدبیر اور کوشش یہ تھی کہ ہمیں بالآخر اس ملک پر قابض ہونا ہے اورنگزیب عالم گیر کی وفات ۱۷۰۷ء تک مغلیہ حکومت مضبوط ہونے کی وجہ سے انگریزوں کو باقاعدہ کوئی کامیابی نہ مل سکی اس کے بعد دہلی کا مرکز کمزور پڑ گیا اور صوبہ جات میں طوائف الملوکی کا دور دورہ ہوا ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے بال و پر نکالنے شروع کئے وہ اتنی چالاکی، عیاری اور ہوشیاری سے اپنے قدم مضبوط کررہا تھا کہ ملک کے اکثر ارباب اقتدار اس کا ادراک نہ کرسکے جب کہ اس صورت حال سے ہر ذی شعور ایک طرح کے کرب اور بے چینی میں مبتلاء تھا۔

چنانچہ ۱۷۷۲ء میں حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے ہندوستان کو دار الحرب قرار دے دیا۔ اس فتوے کے مثبت اثرات مرتب ہوئے دردمندان ملت کے دلوں میں اسلام اور دین

کی حفاظت کی امنگ پیدا ہوئی ملک کے مختلف مقامات سے اسلامی ہند کی آزادی کی تحریکیں اٹھیں، علماء نے اس حقیقت کو محسوس کیا کہ ہمیں فرنگیوں سے نجات حاصل کرنے اور حضرت شاہ صاحب کے فتویٰ کے تقاضوں پر عمل کرنے کے لئے مؤثر اقدام کی ضرورت ہے۔ ہندوستان کی جدوجہد آزادی کا آغاز حضرت شاہ صاحب کے اسی فتویٰ سے ہوا تھا۔

۱۸۲۴ء میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا تقریباً ۸۰ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ پھر انہی کے نواسہ شاہ محمد اسحٰق صاحب ان کے جانشین ہوئے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی تربیت یافتہ جماعت نے رزم و بزم دونوں کو اپنی قوت عمل سے گرما دیا تھا۔ امام المجاہدین سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے اپنے شیخ و مربی حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے حکم و ایماء پر اپنے رفقا کے ساتھ ہندوستان کے چپہ چپہ کا دورہ کرکے عوام میں تذکیر و اصلاح کا کام انجام دیا اور ان میں انقلابی جوش و جذبہ پیدا کرکے ہجرت و جہاد کی روح پھونک دی یہاں تک کہ بالاکوٹ کے معرکہ میں ۱۸۳۱ء کو جمعہ کے دن ۳۰۰ جیالوں کے ساتھ جام شہادت نوش فرما کر حیات جاودانی حاصل کی۔

۱۸۴۴ء میں حضرت شاہ اسحٰق صاحب پوری زمام کار اور مسند تدریس و ارشاد اپنے تلامذہ حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ اور حضرت مولانا مملوک العلی نانوتوی کے حوالے کرکے ہجرت فرما گئے۔ ان دونوں حضرات کے ساتھ نواب قطب الدین دہلویؒ (صاحب مظاہر حق) حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی اور حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ بھی اس تحریک کی قیادت میں شامل تھے۔

بنگال کے سراج الدولہ کی شکست اور ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد فرنگیوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے اور ایسٹ انڈیا کمپنی نے آہستہ آہستہ پورے ملک پر کنٹرول حاصل کرلیا تھا۔ حکومت مسلمانوں ہی سے چھین کر ان کی سرکردہ شخصیات اور دینی مقتداؤں کو بے رحمی سے نیست و نابود کر ڈالا تھا ان کے نظام تعلیم، ان کی معیشت اور ان کا سارا نظم و نسق ملیا میٹ کرکے بستی بستی اپنی حاکمیت اور بالادستی کی دھاک بٹھا دی تھی اور تقریباً دوسو سال کے طویل عرصہ تک ہندوستان کے

دیگر طبقات کے مقابلہ میں مسلمان ہی غلامانہ ظلم و جبر کا سب سے زیادہ شکار بنے رہے دینی واخلاقی قدریں پامال ہونے لگیں اور معاشرہ پر اس کے مضر اور ناگوار اثرات مرتب ہونے لگے اکابر امت نے اپنی فراست ایمانی اور نور بصیرت سے برصغیر میں مسلمانوں کے خلاف انگریز کی ان کوششوں اور کاوشوں کو تاڑ لیا تھا اور خفیہ منصوبوں کو بھانپ لیا تھا کہ فرنگیوں کے ارادے خطرناک ہیں۔ یہ حرص و طمع سے مغلوب ہو کر نہ صرف ہندوستانی دولت سمیٹنا چاہتا ہے بلکہ ہم سے ہمارا وطن بھی چھیننا چاہتا ہے اپنے مذہب اور اپنی تہذیب کو یہاں ٹھونس کر اپنا طرز زندگی رائج کرنا اور ہندوستان کو دوسرا اندلس بنا دینا اس کا مقصد خاص ہے۔

مسلمان جو برطانوی استعمار اور انگریز کے اسلام دشمن رویہ کی وجہ سے پہلے ہی خستہ حال تھے مزید اپنے دین، ثقافت، معیشت، اور تاریخی اقدار کے اثاثہ سے بھی انکو محروم کیا جانے لگا بالآخران میں بیداری آئی اور ان کو احساس ہوا کہ اس خطے سے اسلام اور مسلمانوں کو اسی طرح ختم کر دیا جائے گا جس طرح اسپین پر صدیوں کی حکمرانی کے باوجود مسیحی عصبیت نے اسپین کے در و دیوار شہروں اور بستیوں سے مسلمانوں کی ہر نشانی مٹا ڈالی تھی یہاں تک کہ مسجدوں کو بھی یا تو مسمار کر دیا گیا تھا یا انکو کلیساوں میں بدل ڈالا گیا تھا۔

یوں تو یہاں کے لوگوں نے ابتدا ہی سے انگریزی راج کی مزاحمت شروع کر دی تھی ۱۸۵۷ء تک شاید ہی کوئی سال ایسا گذرا ہو جب ملک کے کسی نہ کسی گوشہ میں مسلح مزاحمت نہ ہوئی ہو۔ ۱۸۵۷ء تک آتے آتے ایک عوامی بغاوت کے لئے حالات سازگار ہو گئے تھے۔ بارود کے لئے چربی لگے ہوئے کارتوس کا حادثہ چنگاری بن گیا نئی رائفلوں کے کارتوسوں پر چربی لگا کاغذ مڑھا ہوتا جس کو استعمال کرنے سے پہلے دانت سے کاٹنا پڑتا تھا کچھ مثالیں ایسی سامنے آئیں جن سے معلوم ہوا کہ یہ چربی سور اور گائے کی تھی۔ مذہبی جذبات کی توہین نے سپاہیوں کو نہ صرف ناراض بلکہ بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ ۱۰ رمئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ میں سپاہیوں نے اپنے افسروں کو قتل کر دیا اور دہلی پہنچ گئے دہلی کے سپاہیوں کو جیسے ایک اشارہ مل گیا انہوں نے بھی بغاوت کر دی دیکھتے دیکھتے یہ بغاوت ملک کے طول و عرض میں پھیل گئی۔

۱۸۵۷ء اور اس کے بعد

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، استاذ العلماء حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ، مولانا محمد مظہر نانوتوی، مولانا منیر احمد نانوتویؒ اور ان کے رفقاء اس صورت حال سے بیحد متفکر اور دفاعی تدابیر کیلئے کوشاں تھے۔ ان کی اصل توجہ فرنگی منصوبوں کو فیل کرنے پر مرکوز تھی۔ جس کیلئے مختلف تجاویز پر غور وفکر اور طرح طرح کی حکمت عملیاں وضع کی جا رہی تھیں۔ یہ اکابر اپنی زندگی کے راحت و آرام کو تج کر اسی جدو جہد میں ہمہ تن مشغول تھے۔ انکی زبان بھی اسی میں مصروف اور انکا قلم بھی اسی کوشش میں لگا ہوا تھا حتیٰ کہ اللہ کے لئے جان وتن کی بازی لگانے کا وقت آیا تو خانقاہ کے یہ بوریہ نشین مجاہدین سر بکف میدان میں اتر پڑے شاملی کی تحصیل کو تاراج کیا اور حضرت حاجی صاحب کی قیادت میں نہایت بہادری کے ساتھ جم کر مردانہ وار مقابلہ ہوا اور خوب داد شجاعت حاصل کی، جہاد شاملی میں حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ سر کا نذرانہ لیئے سب سے آگے آگے تھے یہاں تک کہ اسی جہاد میں جام شہادت نوش فرمایا۔ لیکن اللہ کی مشیت یہ تھی کہ ابھی کچھ عرصہ انگریز اس ملک میں اور رہے چنانچہ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد رفتہ رفتہ پورے ملک پر انگریزوں کا غلبہ ہو گیا جن لوگوں نے معرکہ شاملی میں قائدانہ کردار ادا کیا تھا انکو حکومت گرفتار کرنے اور سزائیں دینے کی کوشش میں لگ گئی

امیر المجاہدین ہونے کی وجہ سے حضرت حاجی صاحب پر نئی حکومت کی خاص نظر تھی وہ سمجھتی تھی کہ حاجی صاحب کی قائدانہ شخصیت کبھی بھی ان کے لئے خطرہ ثابت ہو سکتی ہے، ان حالات میں حاجی صاحب کے لئے ہجرت ناگزیر ہو گئی تھی لیکن جب آپ کے رفقائے کار نے جن کا بڑا حصہ علماء پر مشتمل تھا، ہندوستان میں اپنا مستقبل مخدوش دیکھتے ہوئے ہجرت کا ارادہ کیا اور حاجی صاحب سے اجازت چاہی، تو حضرت حاجی صاحب نے ان کو سختی کے ساتھ روک دیا اور فرمایا کہ میرا قلب شہادت دے رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ابھی ہندوستان میں صحیح دین باقی رکھنا منظور ہے اور صحیح

دین کے لئے صحیح علم کی ضرورت ہے، اور اس کی حامل آپ حضرات علماء کی جماعت ہے اس لئے من جانب اللہ آپ حضرات کی صیانۃ اور نصرت ہوگی۔ ہجرت کا خیال ترک کر کے مسلمانوں کی فلاح و بہبود، ان کے دین وایمان اور عقائد کے تحفظ کی تدابیر عمل میں لاؤ، اللہ تعالیٰ آپ حضرات سے بڑا کام لیں گے۔ بالآخر ملکی حالات اور حکومت کی پابندیوں نے حضرت حاجی امداد اللہؒ کو بھی ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا، انہوں نے اپنے بعض احباب کے ساتھ کراچی کے راستہ مکہ مکرمہ کی جانب ہجرت فرمائی اور اس کو اپنا وطن بنالیا، حاجی صاحب حجاز پہنچ کر بھی جدوجہد میں مصروف رہے، ایک طرف مثنوی مولانا روم کے درس کا آغاز فرمایا اور اصلاح و تربیت باطنی کا سلسلہ شروع کیا، دوسری طرف شاہ محمد اسحٰق صاحب کی مرکزی جمعیت کی باگ ڈور اور قیادت سنبھالی۔ ان کی فکر کا بنیادی پہلو ہندوستان میں انگریزی حکومت کے مقابلہ میں شکست کھانے کے بعد مسلمانوں کے دینی پہلو کی حفاظت اور سیاسی مسائل سے زیادہ انہیں دینی قیادت مہیا کرنا تھا، اس کے لئے حضرت حاجی صاحب نے اکابر علماء ہند کو توکلاً علی اللہ استقامت کے ساتھ یہیں رہ کر کام کرنے کا مشورہ دیا۔ مولانا سعید احمد صاحب اعظمی حضرت حاجی صاحب کے تذکرہ کے تحت لکھتے ہیں کہ:

اس نازک موقع پر سب سے اہم کام معاشرے کو دینی عقائد کے فہم اور کتاب و سنت کی تعلیمات کی ضرورت سمجھا، انہوں نے (یعنی حاجی امداد اللہ نے) محسوس کیا کہ انگریز ایک تعلیم یافتہ قوم ہے اگر ہماری قوم جہالت یا ناواقفیت کے عالم میں پڑی رہے گی تو دینی بنیاد پر صحیح اسلامی معاشرہ قائم نہ کر سکے گی اور نہ ہی وہ دوسری تہذیبوں کی غلامی سے چھٹکارا حاصل کر سکے گی، اس لئے انہوں نے مسلمانوں کے اندر دینی تعلیم اور اسلامی روح پیدا کرنے پر اپنی توجہ مرکوز کی اور تعلیم و ثقافت کی اشاعت کو اپنا نصب العین بنایا۔ ان کی خواہش تھی کہ دین کی فہم کا یہ رجحان عام ہو جائے اور مسلمان احساسِ کمتری سے محفوظ ہو جائیں اور عقیدہ وایمان کی کمزوری ان کے اندر سے نکل جائے، اس لئے انہوں نے اپنے احباب اور متوسلین کو ایک بڑے دینی ادارے کے قیام کی راہ دکھائی (تذکرہ اہل دل)

۱۸۵۷ء کے بعد جب لارڈ میکالے نے ہندوستانی باشندوں کے لئے انگریزی حکومت

سے ایک ایسے نئے نظام تعلیم کی سفارش کی جس کے ذریعہ ملک میں ایسا طبقہ پیدا کیا جائے جو خون اور رنگ و روپ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو اور ذوق و مزاج اور طرز فکر کے لحاظ سے انگریز، تو اس دور کے اہل بصیرت علماء و صوفیا جو ہندوستان سے انگریزی اقتدار ختم کرنے میں مصروف تھے اور وہ انگریزوں کے خلاف مختلف طریقوں سے نبرد آزمائی کر چکے تھے اس نئے تعلیمی منصوبہ کے سامنے آنے کے بعد فکر ولی الہٰی کے یہ شیدائی حرکت میں آ گئے انگریزی استعمار نے جب تعلیم کا ہتھیار استعمال کیا تو انہوں نے بھی پورے غور و فکر کے بعد اپنی حکمت عملی بدلی اور آئندہ کے لئے لائحہ عمل طے کیا۔ اور اس جدید نظام کی ہلاکت آفرینیوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کا واحد راستہ یہ اختیار کیا کہ ان کے دینی تعلیمی مدارس قائم کئے جائیں جن میں وہ اسلام کو اپنی اصلی شکل و صورت کے ساتھ محفوظ رکھ سکیں۔

چنانچہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور انمیں اسلامی شعور و شعائر اور دینی جوش و جذبہ پیدا کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

اسلام اور اسلامی علوم کو مٹانے اور مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سے دور رکھنے کی جو کوشش لارڈ میکالے کے نظام تعلیم کے ذریعہ کی جارہی تھی اسے ناکام بنانے کی تدابیر اختیار کیں۔ اور مسلمانوں کی دینی معاشرتی اور تمدنی زندگی اسلامی سانچوں میں ڈھالنے اور ان کے موجودہ حالات کی اصلاح اور بچے کھچے تہذیبی سرمایہ کی حفاظت کو وقت کی اہم ضرورت سمجھا۔ اور مغربی طرز فکر کے مقابلے مسلمانوں کو اسلامی طرز زندگی اختیار کرنے کے لئے اسلام کی صحیح ہدایات سے روشناس کرانے اور ان کے دین کو نئی تعلیم کے غلط اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے علم دین کے میدان کو گرمایا۔ اسلامی علوم کو عام کرنے میں ہمہ تن مشغول ہو گئے اور اسکو اصل مقصد قرار دیکر اپنے آپ کو اس کام کے لئے وقف کر دیا۔

ان نفوس قدسیہ کے سربراہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تھے۔ ان مخلص علماء کرام کی اس مخلصانہ جدوجہد کی پہلی کاوش اطراف دہلی میں امام عبدالعزیز کے طرز کا مدرسہ اور مرکزی دینی ادارہ کا قیام تھا، جہاں وہ ناسازگار حالات اور مخالف آندھیوں اور حملوں سے محفوظ رہتے ہوئے علوم نبویہ کی تدریس اور مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سے واقف کرا سکیں اور اسلامی

خطوط پر ان کے دل و دماغ کی تعمیر کر کے ان کی بقا کا سامان کریں، خودداری اور عزت نفس کی بنیاد پر نئی نسل کی تربیت اور اس وقت کے ملکی حالات کے مقابلہ ضروری جدوجہد کا ایک وسیع پلیٹ فارم بنا کر ایسے باعمل افراد تیار کئے جائیں جو زمانہ کے چیلنج کا مقابلہ کر سکیں اور سخت سے سخت حالات میں دین اور علوم دینیہ کو نہ صرف محفوظ رکھ سکیں بلکہ اسے دوسروں تک پھیلا اور پہنچا بھی سکیں اور اس کے لئے اشاعت دین کے تمام ذرائع تعلیم، تزکیہ، تبلیغ، تصنیف و تالیف کو بیک وقت اپنایا جائے۔

اس غرض کے لئے تھانہ بھون، نانوتہ اور گنگوہ میں مرکز کا قیام اس لئے ممکن نہ تھا کہ یہ مقامات پہلے سے انگریز کی بلیک لسٹ میں تھے اور حکومت کی ان پر خاص نظر تھی، دیوبند میں ایسی کوئی بات نہیں تھی اور وہاں حضرت نانوتویؒ کی سسرال بھی تھی لہٰذا اس کو سب سے زیادہ موزوں اور محفوظ خیال کیا گیا اور قرعہ فال اسی کے نام نکلا اور وہ مسئلہ حل ہوا، جس کے لئے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور ان کے رفقاء سات سال تک اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کوشاں رہے تھے، اور جو سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خوابوں کی تعبیر اور آرزوؤں کی تکمیل تھا ان حضرات نے اپنے سابقہ طریقہ کار کو بالکلیہ تبدیل کر کے دیوبند میں جو دینی درسگاہ کی بنیاد ڈالی اسی درسگاہ کا نام آج دارالعلوم دیوبند ہے۔

انگریزی حکومت کی پالیسی کا اندازہ مدارس کے بارے میں اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ دہلی جہاں سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں ایک ہزار مدارس قائم تھے انگریزوں کے تسلط کے بعد وہاں ایک مدرسہ بھی باقی نہ رہا تھا اس لئے ایسے نازک وقت میں کسی دینی درسگاہ کو قائم کرنا اپنے لئے مصائب کو دعوت دینے کے مترادف تھا بہر حال اسوقت ان حضرات نے جو نظام مرتب کیا تھا آج جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں وہ سب اسی کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں۔

دنیا آج اس حقیقت کو تسلیم کر رہی ہے کہ اس ملک میں دینی بیداری کا اصل سرچشمہ یہی دینی مدارس اور ان سے جاری ہونے والے سوتے ہیں، ان کی نمائندہ تنظیمیں اصلاح و تربیت اور تزکیہ و تبلیغ کے مراکز مسلمانوں میں صحیح دین کے فروغ پانے کا اصل ذریعہ ہیں۔

خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون جہاں سے تصفیہ قلوب، تہذیب اخلاق اور رشد وہدایت کا ایک منفرد چشمۂ فیض اور بحر معرفت جاری تھا۔ انگریزوں نے اس پر قدغن لگا[۱] اور بیعت وارشاد کے اس دروازہ کو بند کرنا چاہا اور اس کے لئے دھمکی اور سزا کا ہر حربہ استعمال کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور حضرت حاجی صاحب کو ایسے جانشین عطاء کئے جن کے ذریعہ ہندوستان میں اس سلسلہ کو فروغ حاصل ہوا اور دعوتی سرگرمیاں جاری رہیں۔ چنانچہ اسی سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی ذات گرامی تھی جو ایک ممتاز عالم دین اور عظیم مصلح ومربی کی حیثیت سے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں متعارف اور حکیم الامت کے لقب سے مشہور ہوئے اور حضرت حاجی صاحب ہی کے حکم سے انہی کی غیر آباد خانقاہ کی نشاۃ ثانیہ کی، دعوت الی اللہ، اصلاح خلق اور بیعت وارشاد کی مسند کو یکسوئی اور دل جمعی کے ساتھ سنبھالا اور اس اہم فرض کفایہ کی خدمت میں مشغول ہو کر اپنے کمالات عارفانہ سے بگڑے ہوئے معاشرہ میں زندگی کی نئی روح پیدا کر دی۔

مجاہدین اسلام اور علماء حق کی قربانیوں اور جدوجہد کی ایک مسلسل اور لازوال تاریخ ہے یہ اکابر علمی وروحانی دونوں نسبتوں کے حامل کامل تھے، جامعیت کی شان رکھتے تھے۔ ان کی جدوجہد اور قربانیوں کی وجہ سے انگریزوں کی سازش ناکام ہوئی اور ان کی ۲۰۰/ سال کی حکومت بھی ہم سے ہمارا علمی ورثہ نہ چھین سکی۔

علماء کرام کی قربانیوں کے کس کس گوشہ کا ذکر کیا جائے ان مذہبی قائدین نے ملک کو تہذیب دی، تمدن دیا، جینے کا سلیقہ سکھایا، ہر قسم کی صعوبتیں برداشت کیں، چکیاں پیسیں، جیلیں کاٹیں، ڈنڈے کھائے، کالے پانی کی سزا ہوئی، مشکلات کا مقابلہ کیا، غربت وافلاس میں زندگی گزاری، جان ومال کی پرواہ کئے بغیر دین کو اپنے سینوں سے لگائے رکھا، ان کا قلب وجگر عظمت اسلام سے معمور تھا۔ انہوں نے جان ومال کی تباہی کی یہ قیمت وزارتوں، نوکریوں، اور تجارتی سرگرمیوں کے لئے نہیں اس پاکیزہ مقصد کے حصول کے لئے ادا کی تھی جو مستقبل میں ان کی امنگوں کا مرکز تھا۔ اور جس کے سایہ میں انہوں نے انصاف معاشرتی مساوات، آپسی بھائی چارہ جان ومال کی سلامتی اور اپنے دین کی پاکیزہ تعلیمات کی روشنی میں زندگی کے شب وروز گزارنے کے حسین خواب دیکھے تھے۔

قیام دار العلوم کے بعد علمائے دیو بند نے اس زمام کار کو سنبھالا اور وہی اس جدو جہد میں سب سے زیادہ پیش پیش رہے۔ ہر انصاف پسند اکابر دیو بند کے اس کردار کا معترف ہے جو انہوں نے طاغوتی طاقتوں سے ٹکر لینے کی طویل جدو جہد میں ادا کیا۔

ان پاکباز علماء نے اپنی زندگی اسلام کی سر بلندی اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے وقف کر دی تھی، انہوں نے ہر دور میں باطل کا مقابلہ کیا اسلام کی آبیاری کی دین کی حفاظت کا سامان کیا جس کے مثبت اور خاطر خواہ نتائج برامد ہوئے چنانچہ مسلمانوں میں شعور پیدا ہونا شروع ہوا اور ان کی صحیح اسلامی نشو نما کو فروغ حاصل ہوا دینی تعلیم و تعلم کا ماحول اور مزاج عام ہوتا چلا گیا۔

الحمد للہ آج برصغیر میں دین اپنی اصلی شکل میں صحیح خدو خال کے ساتھ موجود اور محفوظ ہے اور ہم اسکے مطابق زندگی گزار رہے ہیں۔ ورنہ دنیا کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے جہاں غیر مسلموں کا غلبہ ہوا وہاں مسلمانوں کی زندگیوں سے دین اور اس کا علم بھی ختم ہو گیا۔ حتیٰ کہ وہاں کے لوگوں کو کلمہ تک پڑھنا نہیں آتا آج ان بزرگوں کے فیض سے ایک عالم فیض یاب ہو رہا ہے۔ انہوں نے یہاں خانقاہ کی صورت میں دینی مدارس اور تبلیغی مراکز کی شکل میں ایسے ایسے قطب مینار، لال قلعے اور تاج محل تعمیر کر دئے کہ انشاء اللہ تا قیام قیامت دین پر آنچ آنے والی نہیں۔

جنگ عظیم کے بعد جب ہندوستان اور دیگر مقبوضہ خطوں میں انگریزی استعمار کی گرفت ڈھیلی پڑی تو غلامی کا طوق اتار پھینکنے اور حصول آزادی کی تڑپ سے ہر طرف اجالا محسوس ہونے لگا۔ علماء کی قربانیاں رنگ لائیں انگریزوں کے خلاف دبی چنگاریاں سلگیں حتیٰ کہ ۱۹۴۷ء میں وہ شرر بار ہو گئیں اور انگریزوں کو اپنا بوریہ بستر اٹھا لینا اور ہندوستان کو چھوڑنا پڑا۔

یہ اللہ کا فضل و کرم اور ان بوریہ نشیں صوفیاء و علمائے کرام کی محنتوں اور جدو جہد کا ثمرہ ہے کہ فرعون وقت کے پرخچے اڑ گئے انہوں نے اپنے اخلاص وللٰہیت اور رجوع الی اللہ کی بدولت فرنگیوں کے منصوبوں کو ایسا خاک میں ملایا اور وہ حکمت عملی اختیار کی کہ ہندوستان اندلس تو کیا بنتا اسکے برعکس دین کے معاملہ میں دنیا کے لئے مثالی نمونہ IDEAL اور تعلیم و تبلیغ اور تزکیہ کا مرکز قرار پایا۔ **ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء.**

تاریخ جہاد شاملی و تھانہ بھون

مئی ۱۸۵۷ء میں میرٹھ سے جو جنگ کا آغاز ہوا تھا ہندوستان کی تاریخ میں اس کو سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے، ملک کے مختلف حصوں میں بغاوت کے شرارے ایک ساتھ بھڑک اٹھے اور انگریزوں کے خلاف لڑائی بڑے منظم طریقے سے لڑی گئی، جس نے فرنگیوں کے ہندوستان سے نہ بھاگنے کے عزائم کو متزلزل اور پائے استقامت کو ڈگمگا دیا تھا اس ہنگامہ خیز سال کو انگریزوں نے غدر کے نام سے موسوم کیا ہے اور وہی عام طور پر مشہور بھی ہو گیا جب کہ ہندوستانی اس کو آزادی کی پہلی جنگ کہتے ہیں اس وقت مسلمانوں کی مغلیہ سلطنت لال قلعہ میں رہ گئی تھی یا دہلی شہر میں، اس کے آخری تاجدار کو سہارا دینے اور ہندوستان کی عظمت رفتہ واپس لانے کے لئے علماء ومجاہدین اور دیندار مسلمان میدان میں آگئے، جس وقت میرٹھ کی افواج نے علم حریت بلند کیا اسی وقت سہارنپور واطراف تھانہ بھون میں اس کی صدائے بازگشت سنائی دینے لگی تھی میرٹھ کے بعد دہلی اور ہندوستان کے مختلف مقامات پر جنگ آزادی چھڑ گئی تھی۔ یہ دور اپنی نوعیت کا نہایت طلاطم خیز اور فتنہ آشوب دور تھا۔ انگریز رفتہ رفتہ ملک پر قابض ہو چکا تھا ہر جگہ بدامنی تھی، مسلمانوں کا منصوبہ یہ تھا کہ انگریزوں کے ہندوستان میں قدم جمنے نہ دئے جائیں اور جہاں جم گئے وہاں سے اکھاڑ دئے جائیں۔

تھانہ بھون ۱۸۵۷ء سے قبل انگریزی حکومت کی فوجی بھرتی کا اہم مرکز اور نہایت خوشحال قصبہ تھا۔ ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء میں آزادی کی لڑائی کے آغاز پر جب مسلمان سپاہی بغاوت پر اترے تو تھانہ بھون کے رہنے والے فوجی ڈیوٹیاں چھوڑ کر وطن آگئے اور قصبہ کے عوام کو جہاد آزادی میں شریک کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے سرگرم ہو گئے، قصبہ کی پینتیس ہزار کی آبادی میں سے سات ہزار افراد فوج میں ملازم تھے ان میں ۳۲ تو صرف رسالدار تھے ہزاروں سپاہی کے منصب پر اور سیکڑوں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے، محکمہ فوج سے ہر ماہ تنخواہوں اور پنشنوں کی شکل میں ایک لاکھ چوراسی ہزار روپئے آتے تھے، قرب وجوار میں مشہور تھا کہ تھانہ بھون والوں کی کمائی خون کی کمائی ہے۔ تھانہ بھون میں انگریزی حکومت کی طرف سے پولیس اسٹیشن موجود تھا پولیس ایسے فوجیوں کی

متلاشی رہتی تھی جو جہاد حریت میں دلچسپی لے رہے تھے۔ یہ فدایانِ اسلام شروع میں روپوش رہے لیکن اپنا کام کرتے رہے، چنانچہ ان حضرات نے بھی مورچہ لگایا غرض ہندوستانی سپاہیوں اور حریت کے شیدائیوں نے میدانِ کارزار گرم کرنے کی ٹھان لی۔

ظاہر ہے کہ یہ وقت مسلمانوں کے لئے نہایت ہی خطرناک تھا انگریزوں کو جس کے متعلق یہ خبر ملتی کہ وہ بھی اس ہنگامے میں شریک تھا تو اس کو سولی پر چڑھا دیا جاتا۔ اسی دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ قصبہ تھانہ بھون کے رئیس قاضی عنایت علی صاحب کے بھائی قاضی عبدالرحیم صاحب ہاتھی خریدنے کے لئے سہارنپور تشریف لے گئے، ہاتھی اس زمانہ میں نشانِ امارت و ریاست تھا اور بڑی جنگی طاقت سمجھا جاتا تھا۔ کسی نے مخبری کی کہ قاضی عنایت کا بھائی دہلی کمک بھیجنے کے لئے ہاتھی خریدنے سہارنپور آیا ہوا ہے اور سرائے میں ٹھہرا ہوا ہے اس وقت انگریز بوکھلائے ہوئے تھے شمالی ہند کی جنگ آزادی کو دبانے کے لئے پنجاب سے فوجیں لائی جارہی تھیں ان کے لئے سہارنپور ہی سب سے مضبوط سینٹر تھا اور فوجی نقطۂ نظر سے بہت اہمیت رکھتا تھا، سہارنپور کا مجسٹریٹ مسٹر رابرٹ اسپنکی روز روز کے انگریزی فوجیوں پر حملوں سے حواس باختہ اور بے حد پریشان تھا اس اطلاع سے اُس کے رہے سہے ہوش گم ہوگئے۔ واقعہ کی تحقیق و تفتیش کے بغیر مجسٹریٹ نے قاضی عبدالرحیم کو گرفتار کرا کے مع ان کے ساتھیوں اور خادموں کے گولیوں سے اڑا دیا، یہ خبر تھانہ بھون پہنچی تو پورے علاقے میں کہرام مچ گیا۔ قاضی عنایت علی خاں کے یہاں صفِ ماتم بچھ گئی خاندان کے لوگ آگ بگولہ ہوگئے انگریزوں کو سبق سکھانے کی ٹھان لی ہر طرف انگریزوں کے خلاف نفرت کا لاوا ابلنے لگا، شیدائیان حریت جو پہلے سے شہریوں کو بغاوت پر آمادہ کررہے تھے ان کا کام آسان ہوگیا۔

پولیس اسٹیشن تھانہ بھون یہاں کے حالات کی مسلسل اطلاعات کلکٹر ضلع کو دے رہا تھا۔ اسپنکی کلکٹر سہارنپور کو اپنی غلطی کا علم ہوا تو وہ اپنی بدحواسی اور جلد بازی پر پچھتایا اور وقت کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے اس نے قاضی عنایت علی خاں کو اپنے نمائندہ کے ذریعہ پیش کش کی کہ ہم پورا پرگنہ (جس میں ۸۴ گاؤں تھے) تمہاری تحویل میں دیکر تمہیں مستقل نواب تسلیم کئے لیتے ہیں تم تحریک آزادی سے علیحدہ رہو لیکن قاضی عنایت علی خاں نے اپنے برادر کی موت کا ذمہ دار انگریزوں کو مانتے ہوئے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا اور جہادِ آزادی کا سپاہی بننا منظور کیا۔

تھانہ بھون اس وقت علم وفضل کا گہوارہ تھا بڑے بڑے یکتائے روزگار یہاں موجود تھے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ ۔ اس وقت خاص طور پر مرجع الخلائق تھے، چنانچہ قاضی عنایت علی خاں نے

سید الطائفہ حاجی امدا اللہ مہاجر مکیؒ اپنے روحانی مقام ومرتبہ میں اپنے اکثر معاصرین سے فائق تھے۔ باطنی کمالات واتباع سنت اور اپنی عملی زندگی کی وجہ سے آپ کو ایک ایسا مقام حاصل تھا کہ بڑے بڑے عظیم الشان مسائل چٹکیوں میں حل فرما دیا کرتے تھے۔ بقول حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ "حضرت حاجی صاحب کے علوم ایسے تھے کہ آپ کے سامنے علماء کی کوئی حقیقت ہی نہیں تھی"

وہ دین وقیادت اور بیعت وارشاد کے مسند پر فائز تھے انہوں نے اپنی زیر تربیت جماعت کے اندر جہاد وعمل کی اسپرٹ پیدا کرنے کے علاوہ رضائے خداوندی کے آسان راستے بھی بتائے اور ملک کے بگڑے ہوئے حالات کی اصلاح کی، معاشرے کو عیسائیت کے اس خطرے سے بچایا جو عیسائی مشنیری کی حکومتی سطح پر سرپرستی کے سبب پیدا ہو گیا تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے فیض یافتگان سے حق تعالیٰ نے دین کے ہر شعبہ میں نمایاں کام لیا اور ان کے سلسلہ رشد وہدایت نے آفاقی حیثیت اختیار کر لی۔

اس وقت علماء حق کے کارناموں اور سلسلوں کے جو نقوش عالم اسلام پر چھائے ہوئے ہیں ان سب کا سرا حضرت حاجی صاحبؒ سے جڑ جاتا ہے، اگرچہ حضرت حاجی صاحب باقاعدہ اصطلاحی عالم نہیں تھے لیکن عشق ومحبت الٰہی نے آپ کا سینہ کھول دیا تھا۔ یہی تو وجہ تھی کہ اس زمانے کے بہترین علماء، تزکیہ باطن، تہذیب اخلاق اور اصلاحِ نفس کے لئے آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے تھے اور ان کی جدوجہد کے نتیجہ میں علماء ربانی اور مخلص بزرگان دین کی ایک پوری جماعت پیدا ہوئی جن میں یہ حضرات شامل ہیں:

(۱) حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ
(۲) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ
(۳) حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ
(۴) حضرت حاجی عابد حسین دیوبندیؒ
(۵) حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۶) حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ
(۷) حضرت مولانا حکیم ضیاء الدین رامپوریؒ
(۸) حضرت مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوریؒ
(۹) حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کاندھلویؒ
(۱۰) حضرتِ مولانا ذوالفقار صاحب شارحِ حماسہؒ
(۱۱) حضرت مولانا منیر احمد صاحب نانوتویؒ
(۱۲) حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتویؒ
(۱۳) حضرت مولانا فتح محمد صاحب تھانویؒ
(۱۴) حضرت مولانا نواب محی الدین خاں مراد آبادی
(۱۵) حضرت مولانا محی الدین خاں صاحب رامپوریؒ
(۱۶) حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب دیوبندی

اس صورتِ حال پر غور کرنے کیلئے ضلع مظفر نگر کے قصبہ جھنجھانہ، کیرانہ، کاندھلہ اور شاملی کے علاوہ ضلع سہارنپور اور میرٹھ تک کے علماء اور علاقہ کے ذمہ داروں کو تھانہ بھون میں جمع کیا حضرت حاجی صاحب نے جلسہ کی صدارت فرمائی اور بڑی بحث وتمحیص کے بعد کثرتِ رائے سے علَمِ جہاد بلند کرنے کی تجویز پاس ہوئی۔

مشاورتی اجتماع میں تمام حاضر ارکان نے اقدام کا فیصلہ کیا صرف ایک بزرگ حضرت مولانا شیخ محمد محدث تھانویؒ کی رائے مخالف رہی۔ حضرت مولانا قاسم صاحب نے حضرت مولانا شیخ محمد صاحب سے مخاطب ہوکر نہایت ادب کے ساتھ عرض کیا کہ حضرت کیا وجہ ہے کہ آپ ان دشمنانِ دین کے خلاف جہاد کو فرض بلکہ جائز بھی نہیں فرماتے؟ حضرت مولانا شیخ محمد صاحبؒ نے فرمایا اس لئے کہ ہمارے پاس اسلحہ اور آلاتِ حرب نہیں ہیں ہم بالکل بے سروسامان ہیں اس پر حضرت مولانا قاسم صاحبؒ نے فرمایا کہ اصحاب بدر سے بھی زیادہ بے سروسامان ہیں؟ مولانا شیخ محمد صاحبؒ خاموش ہوگئے حضرت حافظ ضامن صاحب نے فرمایا مولانا بس سمجھ میں آگیا۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے طرفین کی باتیں سنیں اور فرمایا الحمدللہ شرح صدر ہوگیا۔ حضرت گنگوہیؒ نے فقہی نکتہ پیش کیا کہ امیر کے بغیر جہاد کی صورتِ جواز کیونکر ممکن ہوگی اس کا جواب بھی حضرت مولانا قاسم صاحبؒ نے دیا کہ نصبِ امام میں کیا دیر لگتی ہے مرشدِ برحق حضرت حاجی صاحب موجود ہیں انہی کے ہاتھ پر بیعت جہادی کی جائے چنانچہ سب سے پہلے حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت حافظ محمد ضامن صاحبؒ جو حضرت حاجی صاحب کے پیر بھائی تھے انہوں نے بیعت جہاد کی پھر پوری جماعت نے جہاد کے لئے عہد کیا۔

لوگ اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سرپرستی قبول فرمانے کی استدعاء کی کہ آپ چوں کہ ہمارے دینی سردار ہیں اس لئے اس کے نظم وانتظام کا بار بھی سنبھالئے اور امیر المؤمنین بن کر ہمارے قضیے چکائیے، چنانچہ درخواست کے موافق حضرت حاجی صاحب کو ان کے سروں پر ہاتھ رکھنا پڑا۔

برصغیر کے مرشد کامل حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا وطن بھی یہی تھا اس لئے انگریزوں کے خلاف جہاد اور ملک کی آزادی میں تھانہ بھون کو ایک مرکزیت حاصل تھی۔ حضرت حاجی صاحبؒ

نے اپنی خانقاہ کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر انگریزی استعمار کے خلاف بغاوت کا اعلان اور ان کے تسلط کے خاتمہ کے لئے جدو جہد کا آغاز کیا تو اس میں صرف علماء کی زبانی تائید ہی حاصل نہیں ہوئی بلکہ وہ عملی طور پر ان کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو گئے اور آزادی کے حصول اور جہاد کی تحریک کو عام کرنے کے لئے میدان میں اتر پڑے اور انگریزی حکومت کا بائی کاٹ کرنے کے لئے تھانہ بھون کو اپنا مرکز بنا لیا، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وقتاً فوقتاً خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں تشریف لاتے اور یہاں کے لوگوں سے تبادلۂ خیال فرماتے اور اس سلسلہ کی تیاریوں کا جائزہ لیتے، تھانہ بھون اور اس کے نواح میں حضرت حاجی صاحبؒ کی قیادت میں متوازی حکومت قائم ہو گئی انگریزوں کے ماتحت حکام نکال دئے گئے اور تھانہ بھون باتفاق رائے دار الاسلام قرار پایا۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے دیوانی و جملہ فوجداری کے مقدمات شرعی فیصلہ کے موافق کچھ عرصہ تک قاضی شرعی بن کر فیصل بھی فرمائے۔ شرعی قضاء میں علماء کی ضرورت تھی اس لئے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا قاسم نانوتویؒ مع دیگر احباب یہیں رہ پڑے اور ان حضرات نے جہاد کا اعلان کر دیا تھا۔

لہٰذا آزادی کے متوالے مسلمان مجاہدین چاروں طرف سے جوق در جوق آکر ہزاروں کی تعداد میں تھانہ بھون کے اندر جمع ہو گئے، ہتھیار بے ہتھیار سب مرد میدان بن گئے، بدن پر کپڑے نہیں تھے مگر بغل میں تلوار کاندھے پر ٹوپی دار بندوقیں ضرور تھیں ان سرفروشانِ حریت نے تھانہ بھون کو مرکز بنا کر جہاد میں حصہ لیا اور جرأتِ مردانہ سے وہ سب کچھ کیا جو انگریزوں کو اکھاڑنے کے لئے دوسرے مقامات پر کیا تھا آگے کی تفصیل شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے ''نقش حیات'' میں اس طرح تحریر کی ہے

پھر جہاد کی تیاری شروع ہو گئی اور اعلان کر دیا گیا۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کو امام مقرر کیا گیا، اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو سپہ سالارِ افواج قرار دیا گیا اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو قاضی بنایا گیا اور مولانا منیر احمد صاحب نانوتویؒ اور حافظ محمد ضامن صاحب تھانویؒ کو میمنہ اور میسرہ (دائیں بازو اور بائیں بازو) کا افسر مقرر کیا گیا۔ (نقش حیات ص ۴۲)

شاملی ضلع مظفر نگر ان دنوں انگریزوں کا فوجی مرکز تھا اور ضلع سہارنپور سے متعلق تھا۔ وہاں کمپنی کی حکومت کا خزانہ اور توپ خانہ تھا، جہاد کے اعلان کے بعد انگریزوں پر بہت

ہیبت چھا گئی اور انہوں نے تھانہ بھون کے حالات سے متاثر ہو کر علاقہ کے انگریز اداروں اور فوجی ٹھکانوں کی حفاظت کے لئے فوجی امداد بھیجنی شروع کردی جس میں اسلحہ و گولہ بارود بھی شامل ہوتا ایسی ہی ایک فوجی ٹکڑی سہارنپور سے شاملی کے لئے روانہ کی گئی حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ تحریر فرماتے ہیں:

خبر آئی کہ توپ خانہ سہارنپور سے شاملی بھیجا گیا ہے ایک پلٹن آرہی ہے رات میں یہاں سے گذرے گی اس خبر سے لوگوں میں تشویش ہوئی کہ جو ہتھیار ان مجاہدین کے پاس تھے وہ تو تلواریں، توڑے دار بندوقیں اور برچھے وغیرہ تھے مگر توپ کسی کے پاس نہ تھی، توپ خانہ کا مقابلہ کس طرح سے کیا جائے، حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا فکرمت کرو سڑک ایک باغ کے کنارے سے گذرتی تھی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کو تیس یا چالیس مجاہدین پر حضرت حاجی صاحبؒ نے افسر مقرر کردیا تھا آپ اپنے ماتحتوں کو لے کر باغ میں چھپ گئے اور سب کو حکم دیا کہ پہلے سے تیار رہو جب میں حکم کروں تو سب ایک ساتھ فائر کرنا چنانچہ جب پلٹن مع توپ خانہ کے باغ کے سامنے سے گذری تو سب نے ایک دم فائر کیا پلٹن گھبرا گئی کہ خدا جانے کس قدر آدم زاد چھپا ہوا ہے توپ چھوڑ کر سب بھاگ گئے۔ حضرت گنگوہیؒ نے توپ خانہ کھینچ کر حاجی صاحبؒ کی مسجد کے سامنے لاکر ڈال دیا اس سے لوگوں میں ان حضرات کی فراست، ذکاوت، شجاعت اور فنونِ حربیہ کی مہارت کا سکہ بیٹھ گیا۔ (نقشِ حیات ص ۴۴)

پہلے حملہ کے بعد مجاہدین کے کیمپ میں اطلاع ملی کہ اسپنکی کلکٹر سہارنپور تھانہ بھون اور آس پاس کے حفاظتی انتظامات کا معائنہ کرنے کے لئے شاملی آیا ہے، مجاہدین اس فوجی کمانڈر اور مرحوم قاضی عبدالرحیم کے قاتل کی فکر میں تھے دوسرے اس فوجی چھاؤنی کو بھی شاملی سے ختم کرنا ان کے اہم مقصد میں شامل تھا، یہ موقع غنیمت ہاتھ آیا آزادی کے شیدائی مجاہدین اسلام نے علماء کی قیادت میں شاملی کی تحصیل پر چڑھائی کی، فوجی ٹھکانوں پر چھاپہ مارا، شدید حملے کئے ثابت قدمی اور جوش جہاد کے ساتھ آگے بڑھتے گئے ان حضرات میں حضرت حافظ ضامن صاحب تھانویؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد مظہر نانوتویؒ، مولانا منیر احمد نانوتویؒ نے شاملی کے میدان میں خوب داد شجاعت اور بہادری کے ساتھ جم کر مقابلہ کیا۔ ایک دستہ کی کمان

قاضی عنایت علی تھانوی کے ہاتھ میں تھی، مجاہدوں کے جوش اور پے در پے حملوں کا انگریزی فوج مقابلہ نہ کرسکی اور وہ پسپا ہو کر قلعہ بند ہوگئی، تحصیل شاملی کی عمارت جو ایک قلعہ کی شکل کی تھی اب انگریزوں کے لئے جنگی قلعہ کا کام دے رہی تھی، نہایت مضبوط صدر دروازہ بند کردیا گیا اور دیواروں میں سوراخ کر کے یا دیواروں کی آڑ لے کر مجاہدین پر گولیاں چلائی جارہی تھیں مجاہدین کھلے میدان میں تھے اس لئے دو روز کی لڑائی میں ان کا جانی نقصان بہت ہوا۔ تیسرے روز حضرت حافظ محمد ضامن صاحبؒ نے کسی طرح وہ دروازہ توڑ دیا اس کے بعد مجاہدین میں نیا جوش اور ولولہ پیدا ہوگیا اور وہ اندر گھس گئے انہوں نے سینکڑوں انگریزوں کو تہہ تیغ کیا اور خود ان کی فوج کے جوانوں نے بھی جام شہادت نوش کیا انگریز فوج زیادہ بھی تھی اور مسلح بھی اس نے نہایت بے دردی کے ساتھ مجاہدین پر گولیاں چلانا اور گولے داغنا شروع کردئے اسی میں ایک گولی حضرت حافظ محمد ضامن صاحبؒ کی ناف کے نیچے لگی یہ ۲۴ محرم الحرام ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء پیر کا دن اور ظہر کا وقت تھا۔ اسی وقت حضرت مولانا محمد قاسم صاحب۔ بھی سر پکڑ کر بیٹھ گئے سمجھا گیا کہ شاید حضرت کی کنپٹی پر گولی لگی ہے اور دماغ پار کر کے نکل گئی ہے، حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے لپک کر زخم پر ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ کیا ہوا میاں! عمامہ اتار کر سر جو دیکھا کہیں گولی کا نشان تک نہ پایا تعجب یہ تھا کہ خون سے تمام کپڑے تر تھے جنگ جاری تھی حضرت حافظ ضامن صاحبؒ نے مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کو پاس بلا کر فرمایا میاں رشید جب میرا دم نکلے اس وقت آپ میرے پاس ضرور ہونا، تھوڑی دیر گذری تھی کہ حضرت حافظ ضامن صاحبؒ زمین پر گر پڑے، گولی کاری لگی تھی خون کا فوارہ بہنا شروع ہوگیا، حضرت گنگوہیؒ نے لپک کر حافظ ضامن صاحب کو کاندھے پر اُٹھالیا اور قریب کی مسجد میں لے آئے اور حافظ ضامن صاحب کا سر اپنے زانوں پر رکھ کر تلاوتِ کلام اللہ میں مشغول ہوگئے، آنکھوں میں آنسوں بھرے ہوئے تھے یہاں تک کہ حافظ ضامن صاحب کا وصال آپ کے زانوں پر ہوگیا۔ حضرت گنگوہیؒ آپ کی نعش اٹھا کر دشمن کی نظر سے بچتے ہوئے ۱۸ کلومیٹر پیدل جنگل کے راستہ سے شاملی سے تھانہ بھون آئے اور راتوں رات تدفین کی۔ اس جنگ میں انگریزوں کا بہت بڑا جانی و مالی خسارہ ہوا کافی اہل کارانِ تحصیل س جنگ میں کام آئے تحصیل فتح ہونے کے بعد پتا چلا کہ اسپنکی کی آمد کی اطلاع غلط تھی، حافظ

ضامن صاحبؒ کی شہادت سے مسلمانوں کی کمر ٹوٹ گئی تھی، دشمنوں کی فوج کو حوصلہ ملا اور انہوں نے مسلمانوں پر لگاتار حملے کئے، بالآخر مسلمانوں کی پسپائی ہوئی اور وہ تھانہ بھون واپس چلے گئے۔

۱۹ر ستمبر ۱۸۵۷ء کو بہادر شاہ ظفر کو دہلی میں گرفتار کرلیا گیا اور دہلی پر انگریزوں کا قبضہ مکمل طور پہ ہوگیا دہلی کو فتح کرنے کے لئے انگریزوں نے نہایت بے دردی کے ساتھ ہزاروں جانبازوں کو شہید کیا اور پوری دلی کو لوٹ مار کرکے کھنڈر میں تبدیل کردیا اور ۲۷ر ہزار افراد کو پھانسی پر لٹکادیا، چاندنی چوک ہی نہیں بلکہ شہر کے ہر چوراہے پر سولیاں نصب کردی گئیں، جو بھی معزز مسلمان انگریزوں کے ہاتھ چڑھ گیا اسے ہاتھی پر بٹھایا درخت کے نیچے لے گئے پھندا اس کی گردن میں ڈال کر ہاتھی کو آگے بڑھادیا، لاش پھندے میں جھول گئی، انکھیں اُبل پڑیں، زبان منہ سے باہر نکل پڑی، اور کبھی یہ وحشت ناک طریقہ اختیار کیا جاتا کہ کسی معزز مسلمان کو توپ کے دہانے پر رسیوں سے باندھ کر توپ داغ دی جاتی جس سے پورے جسم کا گوشت بوٹی بوٹی ہوکر فضاء میں اڑ جاتا۔ ایک ہندو مؤرخ میوارام نے لکھا ہے کہ ایک اندازہ کے مطابق **۱۸۵۷ء میں** پانچ لاکھ مسلمانوں کو پھانسی دی گئی تھی۔

تحصیل شاملی کی تاراجی کے بعد انگریز حکام کے لئے ناممکن تھا کہ وہ درگذر سے کام لیتے اس واقعہ نے انکو بے انتہا مشتعل کردیا تھا۔

انگریزوں نے جس طرح دہلی میں قتل و غارتگری مچائی اسی طرح دہلی کے اطراف میں بھی ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے اور قبضہ شروع کردیا چند ہی دنوں میں انگریزوں کی فتح مند فوجیں تھانہ بھون کی فصیل تک پہنچ گئیں۔

اس فوج نے تھانہ بھون کا محاصرہ کرکے ریتی دروازہ کے باہر پڑاوہ پر اپنا توپ خانہ نصب کرکے پوری رات مشرقی جانب سے گولہ باری کی، افسر توپ خانہ کو معلوم تھا کہ اس کے پیرومرشد حضرت حاجی صاحبؒ قصبہ میں موجود ہیں اس لئے اس نے توپ کا منہ اوپر کرکے تمام رات اس طرح گولہ باری کی کہ ایک گولہ بھی شہر کی آبادی پر نہیں گرا، کمانڈر نے صبح کو حالات معلوم کئے اور قصبہ کو صحیح حالت میں دیکھ کر آگ بگولہ ہوگیا اور اس نے فوراً تفتیش کرکے افسر توپ خانہ کو حراست میں لے لیا جس کو کورٹ مارشل کے بعد گولیوں سے شہید کردیا۔ اس کی جگہ ایک انگریز افسر کو توپ

خانہ کا انچارج بنا دیا گیا جس نے آبادی کا نشانہ بنا کر گولہ باری شروع کر دی وسائل کی قلت کے باوجود مقابلہ کی ہمت کی گئی، قصبہ کے گرد فصیل تھی اس کے دروازہ بند کردئے گئے اور وہی ایک توپ جو آغاز جنگ میں حضرت گنگوہیؒ نے انگریزوں سے چھینی تھی اس کو ایک بلند مقام پر نصب کر دیا گیا اور عجیب اتفاق یہ ہوا کہ گولہ ٹھیک دشمن کی توپ کے دہانہ پر لگا اور وہ توپ بیکار ہو گئی، دوسرے گولے نے دوسری توپ کو نقصان پہنچایا۔ مجاہدین کے پاس آلاتِ حرب کی بیحد کمی تھی، اور دوسری طرف نئی قسم کی رائفلوں کی بہتات تھی، ہزاروں مجاہدین میں سے چند سو کے پاس معمولی بندوقیں تھیں، تلوار، تیر کمان نیزہ اور دوسرے معمولی ہتھیار اور آتش بازی کے گولے تھے جن سے شہر کے دروازہ کی حفاظت کا کام لیا جا رہا تھا۔ صبح ہوتے ہی مجاہدین نے قصبہ سے نکل کر محاصرین پر حملہ کر دیا اور سات گھنٹے کی دست بہ دست جنگ کے بعد انگریزی فوج شکست کھا گئی مگر وہ بڑی باقاعدگی سے پسپا ہوئی اور جاتے ہوئے اپنا توپ خانہ اور اسلحہ ساتھ لے گئی۔ اس شکست نے انگریزوں میں کافی کھلبلی مچادی اور وہ ایک دوسرے کو موردالزام ٹھہرانے لگے۔

اس جنگ میں دونوں فریق کے تقریباً ۵۰۰ رافراد کام آئے جس میں زیادہ تعداد مجاہدین اسلام کی تھی مگر ان کے جوش اور جذبہ نے انگریزوں کے چھکے چھڑا دئے تھے۔ اس شکست کے بعد انگریزوں نے سکھ آرمی کی مدد سے بڑی فوج اور پہلے سے زیادہ توپوں کے ساتھ تھانہ بھون پر دوسرا حملہ کر دیا اور آبادی کو نشانہ بنا کر گولہ باری شروع کر دی، فصیل توڑ دی صدر دروازہ تباہ کر دیا گیا۔

پورا قصبہ پہلے ہی خالی ہو چکا تھا چند معذور اور فدائی یہاں رہ گئے تھے جب آبادی کی طرف سے کوئی مدافعت نہ ہوئی تو حملہ آور فوج قصبہ میں داخل ہو گئی اس کس مپرسی کے عالم میں لوٹ مار اور قتل وغارت گری کا بازار گرم ہو گیا، خانقاہ امدادیہ جہاں بزرگوں کا مجمع رہتا اس پر بھی گولہ باری کی گئی، پرشوکت مکانات کو مٹی کا تیل ڈال کر آگ لگادی گئی جو ملا اس کو یا تو گرفتار کر لیا گیا یا گولیوں سے اڑا دیا گیا۔ قیمتی مال واسباب، زیور، نقدی جو اہل قصبہ چھوڑ گئے تھے اس سے فوج نے اپنی جیبیں بھرلیں، جو باقی تھا وہ قرب وجوار کے بدمعاش لوٹ کر لے گئے۔ رات میں تاریکی چھانے سے پہلے حملہ ہوا تھا صبح ہوتے ہوتے تھانہ بھون کھنڈر میں تبدیل ہو گیا۔ قاضی عنایت علی خاں اور دیگر رہنما پہلے ہی باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے ایک اندازہ کے مطابق

تھانہ بھون کے شہدا کی تعداد ایک ہزار کے قریب پہنچ جاتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو رہ کر شہید ہوئے بہت سے باشندگانِ قصبہ قرب و جوار میں اور بعض دور دراز مقامات پر پناہ گزیں یا مصائب و حوادثات کا شکار ہوئے اس وقت کے گئے کچھ خاندان اب بھی حیدر آباد دکن، بھوپال، جودھپور اور دوسری ریاستوں میں موجود ہیں آخری حملہ کے بعد قصبہ دو سال تک ویران اور غیر آباد رہا۔

ملکہ وکٹوریہ کے اعلانِ عام معافی کے بعد جب دوبارہ آباد ہوا تو اس وقت تک ۱۳۲/ نعشیں درختوں سے لٹکی ہوئی تھیں جن کو مہاجنوں والے باغ میں انگریزوں نے پھانسیاں دی تھیں یہ دیکھ کر لوگ غرق حیرت رہ گئے کہ ان نعشوں کو نہ گدھوں نے کھایا تھا اور نہ کسی جانور نے چھوا تھا، گوشت پوست اپنی جگہ سوکھ کر رہ گئے تھے۔

انگریزوں کے آخری حملے سے قصبہ بالکل برباد اور ویران ہو گیا تھا، مال و دولت انگریز فوجیوں کے ہاتھوں لٹ چکا تھا جن سرکاری ملازموں نے جہاد میں حصہ نہ لیا ان کے مکانات بھی انگریزی فوجیوں نے تباہ و برباد کر دئے تھے، بچے کھچے فوجی ملازموں کو ذمہ دارانہ جگہوں سے ہٹا کر فوج کے معمولی شعبوں میں لگا دیا تھا۔ مجاہدین اسلام پر بغاوت کے مقدمے چلائے گئے اور زیادہ تر کو سزائے موت دیدی گئی، قاضی عنایت علی کے ملازموں، ساتھیوں اور عزیزوں میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑا گیا۔ قاضی صاحب کے مختار عام دیوان روپ سنگھ کو پھانسی دی گئی اور جائداد ضبط کر لی گئی، حالانکہ دیوان صاحب نہایت ہی شریف اور غیر سیاسی آدمی تھے۔ مجاہدین قصبہ کی بارہ ہزار بیگہ زمین کو ضبط کر کے محال باغیان بنا دیا گیا، قاضی صاحب کے بائیس گاؤں جوان کی مستقل جاگیر اور ان کی اولاد تک کے لئے تھی وہ سب ضبط کر لی گئی، بڑے بڑے عالیشان مکانات اور قیمتی جائدادیں کوڑیوں کے مول نیلام کر دی گئیں، قصبہ دو سال ویران رہا جو مکانات یا کھنڈر بچ گئے تھے مرمت نہ ہونے کی وجہ سے منہدم ہو گئے۔

انگریزوں پر قصبہ تھانہ بھون کے مجاہدین اسلام کی ہیبت عرصہ تک رہی، برسوں تھانہ بھون بلیک لسٹ میں رہا۔ وہاں کے باشندوں کو نہ فوج اور پولیس میں لیا جاتا تھا اور نہ کوئی سرکاری ملازمت دی جاتی تھی۔ پہلی جنگِ عظیم ۱۹۱۴ء تک یہاں کے ایک شخص کو بھی فوج میں نہیں لیا گیا، قصبہ کو زندگی کی ہر نعمت اور ترقی سے محروم رکھا گیا۔ یہ واقعہ آج بھی لوگوں کی زبان پر ہے کہ ۱۹۱۴ء

میں ایک انگریز پلٹن تھانہ بھون سے گذر رہی تھی اس کے انگریز کمانڈر کے دریافت کرنے پر لوگوں نے قصبہ کا نام بتایا تو وہ حیرت سے بولا اوہ تھانہ بھون! ابھی تک آباد ہے۔ اسی طرح ۱۹۱۷ء میں مسٹر سی مور کلکٹر ضلع مظفر نگر تھانہ بھون آئے، کہتے ہیں کہ سی مور نے تھانہ بھون دیکھنے کے بعد برملا کہا کہ تھانہ بھون سے اب بھی بغاوت کی بو آتی ہے۔

۱۸۵۷ء کے اس انقلاب کی ناکامی ہندوستانی مسلمانوں کے لئے لمحہ فکریہ تھا اور زبردست المیہ بھی اور تاریخ کا نادر واقعہ بھی تھا کہ کم وبیش ایک ہزار سال ہندوستان پر حکومت کرنے کے بعد مسلمانوں نے اپنی نااتفاقی اور اندرونی سازشوں کے باعث اقتدار انگریزوں کے ہاتھوں کھودیا ان کی حکومت ختم ہو چکی تھی ان کی تلوار کو زنگ لگ چکا تھا اس کے بعد رفتہ رفتہ پورے ملک میں انگریزوں کے اثرات پھیل گئے اور ان کے قدم جم گئے، انگریزوں نے ازلی اسلام دشمنی کے سبب بے انتہا ظلم ڈھائے اور بڑی سے بڑی شخصیت کو قتل کرنے میں دریغ نہ کیا، مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا، سورماؤں کی سرزمین (تھانہ بھون) پر انگریزوں کا قبضہ ہوتے ہی انگریزی حکومت کی کوشش ان رہنماؤں کو گرفتار کرنے اور سزائیں دینے کی تھی جنہوں نے اس معرکہ میں قائدانہ کردار ادا کیا تھا، چنانچہ اس انقلاب کی قیادت کے جرم میں مسلمانوں کو طرح طرح سے ستایا گیا اور ان کو تکلیف پہونچائی گئی، حضرت حاجی صاحب اور دیگر مجاہدین کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے، ان حضرات کی گرفتاری کرانے یا نشاندہی کرنے والے کے لئے ایک بڑی رقم بطور انعام دینے کا اعلان کیا گیا، لیکن حیرت کی بات ہے کہ اتنی بڑی شکست کے بعد بھی عوام کے دل میں کوئی خوف و ہراس پیدا نہیں ہوا، ان کو لالچ دئے گئے، خوف دلایا گیا، مگر کسی نے بھی ان رہنماؤں کا سراغ نہیں دیا، انگریزی جاسوسوں اور مخبروں نے تو تلاش میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن ان حضرات کے ساتھ ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کی نصرت شامل حال رہی، کئی جگہ مخبروں نے تو درست خبر حکام تک پہونچائی لیکن جب فوج تلاشی کے لئے پہنچی تو ایسی کرامتوں کا ظہور ہوا کہ یہ حضرات حکومت کی گرفتاری میں نہ آسکے، اس وقت شرفاء کا کیا حال ہوا، حقیقت یہ ہے کہ کتنوں کو پھانسی ہوئی کتنے حضرات قید کئے گئے، کتنوں کو کالے پانی کی سزا ہوئی کتنے چھپتے چھپاتے ہجرت کر گئے۔

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب دو سال انبالہ پنجلاسہ تگری وغیرہ میں روپوش رہ کر

سندھ کے راستے مکہ مکرمہ ہجرت فرما گئے۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ وارنٹ گرفتاری کی خبر اور انعام کے اعلان کے باوجود دوستوں کے اصرار پر صرف تین دن روپوش رہے، چوتھا دن ہوا تو گوشۂ تنہائی کو خیر باد کہہ کر باہر تشریف لے آئے، مخلصین نے اصرار کیا تو فرمایا کہ:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غارِ ثور میں تین دن مخفی رہے تھے، سنت سے اتنی ہی مدت ثابت ہے، یہ مدت ختم ہوگئی لہٰذا روپوشی بھی ختم''۔

استاد العلماء حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کو پولیس نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے شبہ میں گرفتار کر لیا، اور جب تک یہ ثابت نہ ہوا کہ یہ مولانا محمد قاسم نہیں ہیں انہیں جیل میں رہنا پڑا۔

مولانا شیخ محمد محدث تھانوی کے کچھ رشتہ دار رامپور منہاران میں تھے وہیں کئی سال روپوش رہے، ۱۸۶۶ء میں میرٹھ تشریف لے گئے، جلاوطنی کے زمانہ میں تصنیف و تالیف کا شغل جاری رہا، حزب البحر کی شرح، مثنوی مولانا روم کا دفتر ہفتم، نیز ارشاد محمدی اسی دور کی یادگار ہیں۔

امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے بھی چونکہ انقلاب ۱۸۵۷ء میں قائدانہ شرکت کی اور حق کی نصرت اور مسلمانوں کو ذلت و غلامی کی زندگی سے نجات دلانے کے لئے انگریزوں سے جہاد کیا تھا، ان کا شمار بھی انگریزوں کے خلاف سرگرم قائدین میں ہوتا تھا، اس لئے فطری طور پر وہ بھی انگریزی حکومت کے عتاب کا خاص نشانہ تھے، پولیس ان کی تلاش میں گھوم رہی تھی، ان کو گرفتار کرانے یا نشاندہی کرنے والے کے لئے خطیر رقم بطور انعام دینے کا اعلان کیا تھا، حضرت گنگوہی آنکھوں کی خرابی کی وجہ سے باہر کا سفر نہ کر سکے، کچھ عرصہ گنگوہ کے آس پاس روپوش رہے اور پھر گرفتار کر لئے گئے، انہیں نظر بند کر دیا گیا، حکومت نے انہیں سلطنت برطانیہ کا سب سے بڑا دشمن محسوس کیا، ناقابل بیان اذیتیں دی گئیں اور ان پر سخت مقدمہ چلایا، ایک مرتبہ انگریز حاکم نے مولانا سے کہا کہ آپ ملک میں فساد پھیلاتے ہیں اور فسادیوں کا ساتھ دیتے ہیں، حضرت نے جواب دیا کہ تمہارا خیال غلط ہے، میں نہ فسادی ہوں اور نہ ہی فسادیوں کا ساتھ دیتا ہوں۔ انگریز نے پھر کہا کہ تمہارے پاس اسلحہ ہے تم اسے حکومت کے خلاف استعمال کرتے ہو، حضرت نے اپنی تسبیح کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ یہ میرا اسلحہ ہے، حضرت گنگوہی قید و بند کی مشقتیں جھیلتے رہے، اور ایک قید خانے سے دوسرے قید خانے میں منتقل ہوتے رہے، حکومت نے تفتیشی

کارروائی میں بہت سر مارا مگر وہ حضرت کے خلاف فردِ جرم ثابت کرنے میں ناکام رہی، اسی لئے مجبوراً ان کو رہائی دے دی گئی۔

مولانا مظہر نانوتویؒ کی ٹانگ میں گولی لگی تھی جس کی وجہ سے پاؤں میں لنگ ہو گیا تھا، فرار کے وقت جب انگریز تعاقب میں تھے ایک جنگل کے کوٹھے میں پناہ لینی پڑی، جس کی وجہ سے بہت پریشانی ہوئی، مولانا نے یقیناً بارگاہِ الٰہی میں التجا کی ہوگی اور مولانا کے ایمان و یقین کی کیفیت یا کرامت دیکھئے کہ مولانا نے اللہ کے بھروسہ پر ایک ٹوٹا ہوا گھڑا کوٹھے کے پرنالے کے نیچے رکھ دیا، اللہ کی شان فوراً زوردار بارش ہوئی اور گھڑا بھر گیا۔ یہ گھڑا ختم ہو گیا پھر ضرورت ہوئی تو پھر اسی طرح بارانِ رحمت متوجہ ہوئی اور مولانا کو شاداب و سیراب کر گئی۔ ۱۸۵۷ء کے بعد سے مولانا کی یہ عادت ہو گئی تھی کہ وہ اوپر کے ہونٹ پر بار بار زبان پھیرتے رہتے تھے اور اس سے لطف اندوز ہوتے تھے، یہ ایک دائمی اور ہمیشہ کا معمول تھا، ظاہر ہے کہ ایک بڑے عالم استاد اور محدث کی اس حرکت یا عادت کو دیکھ کر خواص و عوام حیرت زدہ رہتے ہوں گے، کسی نے مولانا سے اس کا سبب دریافت کیا، مولانا خاموش رہے، بہت اصرار پر فرمایا کہ:

''جس وقت انگریزوں سے شاملی میں لڑائی ہوئی اور مسلمانوں پر حملہ ہوا اور میرے ساتھی جاں بلب ہو گئے اور میں نے بھی گھٹنے میں گولی کھائی، میں نے اس حالت میں حوروں کو دیکھا کہ ان کے ہاتھوں میں گلاس ہیں اور مخصوص قسم کا شربت ان میں بھرا ہوا ہے جس کو وہ میرے ان ساتھیوں کو پلا رہی ہیں جو جاں بلب ہو چکے تھے، اور ان کے بچنے کی کوئی توقع نہیں تھی، اسی دوران ایک حور نے میری طرف بھی رُخ کیا اور میرے منہ سے گلاس لگایا ہی تھا کہ دوسری حور نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ یہ ان میں سے نہیں جن کا انتقال ابھی ہوگا، اس وقت کچھ معمولی سا شربت میرے اوپر کے ہونٹ پر لگ گیا تھا جس کا ذائقہ اب تک موجود ہے اور اسی وجہ سے یہ میری عادت ہے''۔ (تذکرہ مولانا محمد مظہر نانوتویؒ، مولانا نور الحسن راشد)

جس وقت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی تھانہ بھون میں مجاہدین کی قیادت فرما رہے تھے اور ان کے متبعین نے شاملی کا میدان کارزار گرم کیا ہوا تھا، اسی وقت علمی سطح پر پادریوں کا تعاقب کرنے والے مشہور مناظر مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے بھی اپنے خاص رفیق اور گوجر برادری کے سردار چودھری عظیم الدین صاحب کے ساتھ مل کر کیرانہ میں انگریز کے خلاف محاذ قائم کر لیا تھا مجاہدین نے اطراف کیرانہ سے انگریزی حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا اب جو بھی اعلان ہوتا اس میں کہا جاتا کہ ملک خدا کا اور حکم مولوی رحمت اللہ کا۔

بظاہر یہ حکومت بہت مضبوط تھی لیکن کچھ مخبروں کی جاسوسی اور اپنوں کی بے وفائی سے دہلی پر غلبہ کے بعد انگریزوں کی فوج پورے اسلحہ کے ساتھ کیرانہ میں داخل ہوگئی اور پوری سرگرمی کے ساتھ مولانا رحمت اللہ کو تلاش کرنا شروع کردیا، مولانا موصوف کسی طرح بچ کر نکل گئے، اور سورت کے راستہ مکہ معظمہ پہنچ گئے پھر اپنی وفات ۱۳۰۸ھ تک ہندوستان کا رُخ نہیں کیا، مکہ معظمہ میں آپ کا قائم کردہ مدرسہ صولتیہ دنیا میں معروف ومشہور ہے۔

اس کے بعد مجاہدینِ اسلام نے اپنی حکمت عملی بدلی دوسرے قصبوں شہروں اور دیہات میں جہاد کی روح پھونکنے اور انگریزوں سے عدم تعاون کے لئے کام کررہے تھے، مجاہدین نے تھانہ بھون کے بعد دہلی کو اپنا مرکز بنالیا تھا مگر تھانہ بھون پھر بھی مجاہدوں کا مرکز کہلاتا تھا۔ انگریز قصبہ کے باشندگان کی ہر نقل وحرکت پر نظر رکھتے تھے کیونکہ جو بھی قصبہ میں موجود تھے وہ انگریزوں سے متنفر اور ملک کو ان سے پاک دیکھنے کے خواہشمند تھے۔

اس تحریک کے روح رواں قاضی عنایت علی صاحب اب بھی اپنے شکست خوردہ دستہ کو لئے ہوئے انگریزوں کی تلاش میں تھے۔ تحصیل جانسٹھ ضلع مظفر نگر سے نکل کر ضلع بجنور میں داخل ہوگئے، اس سفر کے دوران مجاہدین اسلام کی خاصی تعداد ان کی فوج میں شامل ہوگئی، قاضی صاحب کی روز بروز طاقت بڑھنے سے انگریز بہت خائف تھے اور انہوں نے فوج کی کئی ٹکڑیاں قاضی عنایت علی کی گرفتاری کے لئے بھیج دی تھیں، آخر نجیب آباد کے آس پاس انگریزوں کی مسلح فوج سے جس کے پاس توپ خانہ بھی تھا سخت مقابلہ ہوا، مجاہدین کی تعداد انگریزی فوج کے مقابلہ میں بہت کم تھی ،اس کے باوجود دس گھنٹہ کی لڑائی میں انگریزی فوج کے قدم اکھڑ گئے [illegible] قاضی عنایت علی کے معتمد چودھری ہمانچل سنگھ کو اس لڑائی میں نو گولیاں لگیں، اور وہ قاضی جی خدا حافظ کہتے ہوئے گھوڑے سے گر گئے، قاضی صاحب نے فوراً گھوڑے سے کود کر ان کو گود میں اٹھالیا اور خیمہ میں لے گئے، قاضی صاحب کو اپنے فدائی کی موت کا اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ دیر تک اپنے آپ کو نہ سنبھال سکے، اب میدان انگریزوں کے ہاتھ میں تھا، قاضی صاحب اپنے زندہ فدائیوں کو نکالنے میں کامیاب ہوئے مگر سامانِ جنگ پر انگریزوں نے قبضہ کرلیا پھر وہ ضلع بجنور سے نکل کر میرٹھ کے راستہ بندیل کھنڈ پہنچے اور وہاں کے حریت پسندوں کو لیکر انگریزوں پر حملے کرتے ہوئے بھوپال

پہنچ گئے، اور اپنے عزیز واقارب کے ساتھ رہنے لگے، وہاں ایک دن قدسیہ بیگم (والی بھوپال) کی سواری آتی نظر پڑی یہ اپنے گھوڑے پر سوار تھے، مردم شناس بیگم نے ایک ہی نظر میں شہ سوار کی خوبی کو پہچان لیا، ان کو معقول تنخواہ پر سواروں اور گھوڑوں کی تربیت کا اعلیٰ افسر مقرر کیا، وہاں سے جودھپور چلے گئے وہاں بھی ان کی شہسواری اور فن سپہ گری نے ان کے لئے خطرہ پیدا کر دیا پھر وہ جودھپور چھوڑ کر ریاست الور کے قصبہ تجارہ کے قریب ایک گاؤں میں اپنے ایک پرانے تلواریں بنانے والے دوست کے یہاں آ گئے اور ۱۹۱۰ء میں یہیں وفات ہوئی۔

رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

مآخذ ومصادر

نقش حیات .... شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ

تذکرہ اہل دل .... مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

جہاد شاملی وتھانہ بھون .... ثناء الحق ایم اے

جہاد شاملی وتھانہ بھون (مقالہ) .... محمد الحق سنبھلی

تذکرہ مولانا محمد مظہر نانوتوی .... مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی

حیات امداد .... محمد انوار الحسن شیر کوٹی

تحریک آزادی ہند میں مسلم علماء اور عوام کا کردار ..... مفتی محمد سلمان منصور پوری

چلی سمت غیر سے اک ہَوا کہ چمن سُرور کا جل گیا

میدان شاملی میں بنا بنایا کھیل بگڑ جانے اور بہت سے مجاہدین خصوصا حضرت حافظ صاحب کی شہادت کے حادثہء جاں کاہ سے اکابر ملت کے دلوں میں اضطراب و بیچینی کی ایک لہر دوڑ گئی تھی ان کی جدائی سے احباب، مریدین، اور معتقدین کو کسقدر صدمہ تھا اس کا اندازہ ان کے مرید باصفا حکیم محمد ضیاء الدین رامپوریؒ کی تالیف ''مونس مہجوراں'' میں شامل انکے جذبات و بیانات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ شدت غم اور حرماں نصیبی سے حکیم صاحب کا عجیب حال ہے۔ ایک آہ ہے جو ان کے سینہء سوزاں سے نکل رہی ہے ایک حسرت ہے جو نوحہ کناں ہے ایک ایک بات پیر و مرشد کی یاد آرہی ہے۔ حضرت حافظ صاحبؒ پر اخفاء حال کا غلبہ تھا مرید بہت کم فرمایا کرتے تھے حکیم صاحب موصوف بہ سفارش حضرت حاجی صاحبؒ شرف بیعت سے مشرف ہوئے تھے اور بیعت ہونے کے بعد وادیء سلوک میں ابھی گامزن ہی تھے کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ برپا ہوگیا چنانچہ خود تحریر فرماتے ہیں

اسی تمنا اور تجسس میں رہتا کہ حق تعالی کسی طرح مجھ کو بھی اس طریق سے کچھ حصہ نصیب فرمادے اور کبھی یہ خیال آتا تھا کہ کیا بعید ہے کہ حضرت پیر و مرشد کے تصدق سے اللہ تعالی اپنی محبت اور اخلاص بھی عطا فرمائے۔

یہ خبر نہ تھی کہ پردہ غیب سے کچھ اور ظاہر ہوا چاہتا ہے اسی توقع اور کشاکش میں تھا کہ ناگاہ گردش ایام اور شامت افعال اس شکستہ حال سے یہ صورت پیش آئی کہ دفعتہً جہاں میں ایک شور پیدا ہوا۔ ہنگامہ قتل اور غارت کا چاروں طرف سے ایسا گرم ہوا کہ شاید کبھی نہ ہوا ہوگا جو لوگ دیندار اور جری تھے غیرت اور حمیت اسلامی سے اکثر شہید ہو کر سوئے دار البقاء رحلت فرما ہوئے یا خانہ ویران

ہو کر در بدر رہے۔ بہت سے اس ملک کا حال دیکھ کر بیت اللہ شریف یا کسی اور دار السلام کو تشریف لے گئے اب ہندوستان میں گویا دنیا پلٹ گئی دین و دنیا کی اچھی بات گم ہوگئی۔ حاصل کلام اس ہنگامے میں جلال کبریائی کو جوش و خروش تھا اور مدہوشان شیون الٰہی کو بھی ایک ولولہ اور ذوق وشوق تھا۔ چنانچہ حضرت مرشدیؒ نے بھی ضرر دنیائے دنیہ کا کچھ خیال نہ فرمایا کمر ہمت چست باندھ کر امر حق پر جان و مال کو قربان کیا اور ذوق وشوق و دیدار الٰہی میں ایسے مست ہوئے کہ کسی طرح کا تردد نہ ہوا۔ اور تمنائے شربت شہادت و جام کوثر میں ہماری بیکسی کا بھی کچھ خیال نہ فرمایا سبحان اللہ کیا ہمت مرداں مدد خدا کا تماشہ دکھلا کر مردانہ اور مشتاقانہ ۲۴ محرم الحرام ۱۲۷۴ھ (کو) برسر معرکہ جام شہادت نوش فرمایا۔ واہ کیا خوب داد ہمت لے گئے اور داغ حسرت دے گئے۔ دوہا ؎

ساجن دکھیا کر گئے اور سکھ کو لے گئے ساتھ ☆ جنم پچھوہا دے گئے اور پھر نہ پوچھی بات

ساجن ایسے چل بسے مڑ کر خبر نہ لی ☆ میں دکھیا تکتی رہی، پھر ملیں گے پی

رفتی و مرا خبر نہ کر دی ☆ بر بیکسم نظر نہ کر دی

جب جدا تم سا یار جانی ہو ☆ کس روش اپنی زندگانی ہو

یہ نہ تھی امید ہم کو ساقی گلفام سے ☆ دور ساغر میں ہمیں محروم رکھا جام سے

ناگاہ جناب حاجی صاحب قبلہ سلمہ اللہ تعالیٰ کو جناب باری سے الہام ہوا کہ بیت اللہ کو آؤ چنانچہ وہ جبھی بالہام حق بیت اللہ شریف کو تشریف لے گئے وائے محرومی کہ بجائے حضرت پیر مرشدؒ جو باقی تھے ان سے یوں اپنی مفارقت ہوئی۔ واحسرتا: اب کوئی مونس و غمخوار نہیں کہ دل پژمردہ کو تسلی دے

نہ قاصدے نہ صبائے نہ مرغ نامہ برے ☆ کسے بہ بیکسی من نمی برد خبرے

یار بن نغمۂ بلبل کسے خوش آتا ہے ☆ نکہت گل سے دماغ اپنا اڑا جاتا ہے

ہائے بیدادی کیسے کیسے مربی جدا ہوئے اس پر بھی ہم سر پھرے جیتے رہے یہ نظم حسب حال ہے

چمن کے تخت پر جس دن شہ گل تجمل تھا ☆ ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی ایک شور تھا غل تھا

خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خاک گلشن میں ☆ بتا تا باغباں رورو یہاں غنچہ یہاں گل تھا

آہ جس وقت وہ صحبت یاد آتی ہے اور وہ صورت شریفہ نظر میں پھر جاتی ہے اس دل ناشاد پر جو کچھ گزرتا ہے بیان نہیں ہوسکتا ہر چند تڑپ تڑپ کر جی چاہتا ہے کہ مرجاؤں اس ہردم کی جاکنی سے چھوٹ جاؤں مگر کچھ بس نہیں چلتا اور از خود مرا نہیں جاتا لاچار کلیجہ پکڑ بے اختیار اپنی زندگی پر رو دیتا ہوں

خانقاہ تھانہ بھون کا ایک منظر

حکیم صاحب خانقاہ تھانہ بھون کی اس طرح منظر کشی کر کے دور ماضی کی یاد تازہ فرماتے ہیں

اور جب کبھی وہ چمنستان اسرار الٰہی آباد تھا اور وہ نخل مراد اوصاف لامتناہی موجود تھے عجب رنگ وروپ رہتا تھا۔ کہیں درس علم اور کہیں تعلیم عمل اور کبھی وعظ و پند، کبھی زبان بند، مشغول باخداوند، کہیں حلقہ توجہ کا، کہیں جلوہ ذکر جہر کا، کسی کو حالت گریہ، کسی کو قہقہہ، کوئی مست و بے ہوش، کوئی محو و مستغرق، دل دنیا سے فارغ، اللہ کا طالب ہر ایک اپنے حال میں مست رہتا تھا گویا ایک چمن رحمت حق تھا کہ ناگاہ برباد ہوا، یارو! جب کبھی کسی جگہ اس مجمع خیر کا ذکر ہوتا تو سینے میں تار سا نکل جاتا ہے اور دل مضطر بے اختیار تڑپ اٹھتا ہے ہر چند چاہتا ہوں کہ روکوں مگر دل مضطر پر کچھ بھی بس نہیں چلتا

ضبط فریاد کروں گریہ کو روکوں لیکن ☆ دل بیتاب کو روکوں یہ نہیں ہوسکتا

غرض اس طور طریق خیر و برکت کا یہ مجمع قصبہ تھانہ بھون مسجد پیر محمد مرحوم (خانقاہ امدادیہ) میں جمع ہوا تھا کہ کچھ بیان کیا نہیں جاتا اس آخری وقت میں یہ حضرات نمونہ متقدمین کے پیدا ہوئے تھے

اور تھوڑے عرصہ میں اس قدر تعلیم و تلقین راہ خدا جاری ہوئی کہ عالم میں شہرہ ہو گیا ہر طرف سے طالب خدا اور درویش وقت رجوع ہونے لگے اور سب اپنے اپنے حوصلے کے موافق فیض یاب ہوتے تھے عجب وہ زمانہ تھا اور عجیب کیفیت وہاں رہتی تھی کہ نہ آنکھوں نے دیکھی اور نہ کانوں نے سنی اور ہر چند غور کیا مگر بہر حال اس مجمع کو رنج و راحت دنیا سے بے فکر پایا بجز یاد خدا کسی شے کا فکر و اہتمام کرتے نہ دیکھا۔ سبحان اللہ کیا وقت سرور و حضور تھا اور وہ کیسی برکات عام تھیں جو اخلاص سے چند روز بھی اس صحبت میں رہ گیا ایک حال پیدا کر لے گیا یہ بات اس زمانہ میں کہیں نہ تھی سالہا سال کے عابد و زاہد دیکھے جو کچھ ان کے قلب میں اثر ذکر پایا ان حضرات موصوفین ادام اللہ فیوضہم کی خدمت میں چند روز کے طالبوں کو اس سے بہتر پایا غرض کہ وہاں اول ہی ایک نسبت کا اثر ہو جاتا تھا اور جس کسی طالب نے وساوس نفس و شیطانی کو دفع کیا اور حسن عقیدت سے وہاں حاضر ہو کر ہمت کر کے زہد و تقوی میں قدم چست رکھا اور جی لگا کر ان بزرگوں کی خدمت میں کچھ تربیت پائی مقام عالی پایا چنانچہ ایسے کتنے خادم ان حضرات کے موجود ہیں کہ ہر طرح کی نعمت دینی سے مالا مال ہیں روز و شب اسی کی تلاش میں رہتے ہیں۔

واحسرتا کدھر گیا اور کیا ہوا وہ مجمع خیر اور جماعت محبت آمیز، اور وہ صحبت عشق انگیز، اور وہ مکان دل آویز، یعنی مسکن حضرت اقدس کہ اب ویران ہے باوصف اس خستہ حالی کہ دیکھو وہاں کیا جلوہ حق ہے اور اس اجڑے مکان میں کیا دل کشادگی ہے خس و خاشاک سے بوئے گل اور نغمہ بلبل کی کیفیت پائی جاتی ہے اکثر اہل دل وہاں جا کر مسرور ہوتے ہیں اور فیض اٹھاتے ہیں کسی نے سچ کہا ہے

بزمینکہ نشان کف پائے تو بود ☆ سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

دکانِ معرفت خانقاہ تھانہ بھون

مرقد مبارک حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ

کتب خانہ امداد الغرباء محلہ مفتی سہارنپور

KUTUB KHANA IMDADUL GHURABA

Mufti Street, Saharanpur-247001 Mobile : 9927164925